کلامِ حاتم کے صوفیانہ پہلو
ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد اسلم بھٹی
لیکچرر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور

SUFIC ASPECTS IN HATIM'S VERSE
AN ANALYTICAL STUDY

Muhammad Aslam Bhatti
Lecturer in Urdu
Government Islamia College, Civil Lines, Lahore

Abstract

There are many poets of Urdu who employed mystical and metaphysical issues in their verse. Khawja Meer Dard's was an established example of such poetry. Shah Hatim had also written on the same topic. Hatim enjoyed a very high status among Urdu classical poets. He lived longer to compose poetry. He had written less or more on almost all aspects which made him distinguished among classical poets of Urdu. His poetic renditions are rich in mysticism like that of Khawja Meer Dard but with a different tone and tenor. At times it seems as if mystic colour especially oneness of God has been presented through various angles. This article deals with the mystic aspects found in Hatim's classical poetry along a comparison with Dard's.

Keywords: خواجہ میر درد، شاہ حاتم، محی الدین ابن عربی، تصوف، مسلمان، وحدت الوجود، اقبال، صوفیانہ، دہلی، شاعری

شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم ۱۶۹۹ء میں شاہ جہان آباد (دہلی) میں پیدا ہوئے۔ تقریباً بیاسی سال کی طویل زندگی گزارنے کے بعد ۱۷۸۳ء میں وفات پائی۔ شاہ حاتم نے اپنی لمبی زندگی کے تجربات سے گزرنے کے بعد درویشی اور فقر وغنا کا مسلک اختیار کر لیا تھا کیوں کہ حاتم کا دل زندگی کے ہنگاموں اور دل فریبیوں سے سیر ہو چکا تھا۔ درویشی اور قناعت پسندی نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔ دہلی کے نامور شعرا میں خواجہ میر درد کے بعد شاہ حاتم ایک ایسے درویش منش انسان تھے جنھوں نے دہلی کی تباہی و بربادی کے الم انگیز مناظر دیکھے لہٰذا دربدر کی خاک چھاننے کے بجائے انتہائی ضبط وحوصلے اور صبر وسکون سے دہلی ہی میں رہے۔ شاہ حاتم کو تلاشِ حق میں شاہ بادل کا سہارا انھیں صوفیانہ زندگی کے ساحلِ مراد پر لے آیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی آخری عمر کی شاعری میں تصوف کا گہرا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے لیکن تصوف کے میدان میں شہرت اور انفرادیت خواجہ میر درد کو نصیب ہوئی حالاں کہ تصوف کا رنگ خواجہ میر درد سے پہلے بھی اُردو شاعری میں موجود تھا۔ مختلف شعرا کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سے ایسے اشعار نظر آجاتے ہیں مگر وہ شعرا خاص کسی عقیدے کے پیرو کار نظر نہیں آتے۔ ایک مخصوص عقیدہ وحدت الوجود جو درد کے ہاں پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ درد اور ان کی شاعری تصوف کی گود میں پلے اگر یہ ماحول شاہ حاتم کو ملا ہوتا تو وہ تصوف میں شاید درد سے بھی بڑے شاعر ہوتے۔ جہاں درد کے ہاں زیادہ تر رنگ وحدت الوجود کا ملتا ہے وہاں ان کے ہاں وحدت الشہود کا رنگ بھی کم نہیں ہے۔ وحدت الوجود کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا لیکن صوفیانہ اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف ذاتِ حق کا وجود حقیقی اور کامل ہے اور سب اس کے سامنے گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس نظریہ کو باقاعدہ طور پر محی الدین ابن عربی نے پیش کیا۔ دوسرا نظریہ وحدت الشہود کے نام سے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے پیش کیا۔ جس کا مطلب ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ خدا کے مختلف جلوے ہیں خدا اپنی صفات کے حوالوں سے پہچانا جاتا ہے لہٰذا کائنات میں مختلف اشیا اسی کے جلال و جمال کا مظہر ہیں۔ ان دونوں عقائد کا رنگ شاہ حاتم کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔

شاہ حاتم کے بارے میں مستند گفتگو 'مخزن نکات'، 'عقد ثریا'، 'تذکرہ ہندی' اور 'مجموعہ نغز' جیسے

اہم تذکروں میں ملتی ہے۔استاد ہدایت اللہ خاں ہدایت اور سعادت یار خاں رنگین کا نام اُن کے نمایاں شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۱۴۹ھ میں حاتم نے دو مثنویاں تخلیق کیں جو دربار شاہی تک ان کی بالواسطہ رسائی کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔شاہ حاتم کے اس تخلیقی زمانے سے متعلق ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

''نواب عمدۃ الملک امیر خاں انجام نے شاہ حاتم کو خدمتِ بکاولی (خان سامانی) سپرد کی۔ یہ اس زمانے کا اہم منصب تھا جو کسی قابل اعتماد شخص کو سونپا جاتا تھا۔شاہ حاتم کی زندگی کا یہی وہ دور ہے جس کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔شاہد وشراب سے اُنھیں از بس رغبت تھی۔محمد شاہ کی بزم طرب میں پھبتیاں، جگت، لطیفے، چٹکلے کا رواج عام تھا۔اسی مجلسی ماحول نے ایہام گوئی کے رجحان کو فروغ دیا۔نواب امیر خاں خود بڑے بذلہ سنج اور اس قسم کی مجلسوں کے سر پرست تھے۔شاہ حاتم بھی اس رجحان کے ایک بڑے نمائندے تھے اور ان کا بیشتر ابتدائی کلام اسی رنگ کا ترجمان ہے۔''(۱)

مذکور اقتباس شاہ حاتم کی عیش وعشرت کی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ ان کی زندگی میں تبدیلی کیسے آئی۔ان کی طبیعت تصوف کی طرف کیسے مائل ہوئی۔اس کی وجوہات سیاسی اور سماجی ہیں۔۱۱۵۱ھ میں جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا، قتل عام ہوا، کروڑوں روپے کے خزانے تاوان کی صورت میں لے اڑے، بزم نشاط بزم رنج والم میں تبدیل ہوگئی تو شاہ حاتم کی زندگی بھی ان تبدیلیوں سے متاثر ہوئی۔شاہ حاتم کا دل اب دنیا کی عیش وعشرت سے بھر گیا تھا۔وہ درویشی کی راہ اختیار کرنے اور فسق و فجور سے توبہ کرنے پر پوری طرح مائل ہو چکے تھے۔محمد شاہ اور نواب عمدۃ الملک جب ۱۱۵۹ھ میں قلعہ شاہی کے اندر قتل کر دیے گئے تھے تو اُن کی وفات کے بعد حاتم نے توکلی اختیار کرلی تھی۔اس بارے قائم چاند پوری لکھتے ہیں ''محمد حاتم، حاتم تخلص، ہم صحبت میاں مضمون وآبرو است،

اصل مشاوے شاہ جہان آباد است، درروزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ بہ منصب ندیمی وخدمت بکاولی نواب عمدۃ الملک مغفور پایۂ امتیاز داشت، بعد فوت اوترک روزگار نمودہ، باکمال آزادگی می گزرانیدہ، کلیاتش ضخیم است قریب چہار ہزار بیت کہ ازاں بر سبیل انتخاب برآوردہ وآن را بہ دیوان زادہ موسوم ساختہ است چندے پیشہ از نظر گزشتہ۔شعر خوب جستہ جستہ می برآید۔بافقیر آشنا است۔حق تعالیٰ سلامت دارد۔''(۲)

حاتم کی زندگی حالات کے ساتھ ساتھ متاثر ہوتی رہی لیکن جرأت و بے باکی اور آزادمنشی ان کی طبیعت کا بنیادی وصف تھا۔ یہ وصف درویشانہ رنگ کے باوجود بھی قائم رہا۔ البتہ اس میں صوفیانہ نیازمندی اور استغنا کا کسی حدتک اضافہ ہوتا گیا۔وہ اپنی ۱۱۷۲ھ کی ایک غزل کے مقطع میں اپنی اس وضع قطع کے بارے بیان کرتے ہیں:

شعر استادانہ، حاتم ہے بے باکانہ وضع　　　طبع آزادانہ و اوقات درویشانہ ہے(۳)

صوفیانہ خیالات شعر کی زبان میں صرف دردہی نے پیش نہیں کیے بل کہ ان سے قبل ولی کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ولی کے بعد ایہام گوشعرا کے کلام میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔مگر شاہ حاتم کے کلام میں صوفیانہ خیالات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔بل کہ صوفیانہ امور ومسائل کا بیان بھی زیادہ ہے۔شاہ حاتم کے صوفیانہ خیالات کو ان کی شاعری کے آئینے میں دیکھا جاسکتا ہے۔خدا کی ہستی ارفع ترین ہے اس برترین ہستی اور حقیقت کے ادراک کے سلسلے میں دنیاومافیہا سے بے خبر اور گھر کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ۱۱۹۱ھ کی غزل کا مقطع ہے:

شاہ حاتم بڑا قلندر ہے　　　گھر میں تنکا نہیں خلال کرے(۴)

ان کی غزل جو ۱۱۹۶ھ میں لکھی گئی اس کا مطلع دیکھیے:

خلق کیوں کرنہ کہے دیکھ کے دیوانہ ہمیں　　　چھوڑ کر شہر جو خوش آئے ہے ویرانہ ہمیں(۵)

حاتم کا تصوف سے گہرا تعلق ہے۔انھیں ابتدا سے ایسا ماحول تو نہ ملا اور نہ ایسے سائے میں زندگی بسر کی پھر بھی تصوف کے معاملات اور مسائل کو انھوں نے اپنے مزاج کا جز بنالیا۔تصوف کے

بہت سے اسرار و رموز ان کی غزلوں میں بے نقاب ہیں۔ ان کی تقریباً ابتدائی غزلوں میں ایسے عناصر موجود تو ہیں لیکن بہت کم ہیں۔ ان کے صوفیانہ عناصر میں زیادہ شدت غالباً ۱۱۵۵ھ کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس حوالے سے ان کی ۱۱۴۴ھ کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

دل کی اس بات پر گواہی ہے   ہر طرف مظہر الٰہی ہے
اس کو روشن ہو کس طرح یہ حرف   جس کے دل کے اوپر سیاہی ہے(۶)

صوفی کائنات کے دو روپ مانتے ہیں ایک ذات اور دوسرا صفات، ذات نظر نہیں آتی مگر صفات کی جھلک مخلوقات کے پردے میں ملتی ہے گویا صفات خداوندی تعینات کے پردے میں حاتم کے ہاں بھی نظر آتی ہیں۔

تری قدرت کا مظہر دیکھ کر ہر آن میں حاتم   ہوا ہے جان سے قربان آ تری خدائی پر
باغِ دنیا میں نہیں بے کار حاتم ایک خس   ذکر کرتا ہے خدا کی یاد میں ہر پات پات
حیران عقلِ کل کی ہے اس کی صفت کو دیکھ   سب جا میں جلوہ گر ہے وہ اور ایک جا نہیں(۷)

زاہدوں کو اپنی عبادت پر ناز ہوتا ہے اور گنہ گاروں سے اعتراض ہوتا ہے۔ وہ دیر، مندر، اور مسجد میں جا کر خدا کی عبادت و ریاضت کرتے ہیں۔ متقی و پرہیزگار ہونے کے ناتے خود کو اپنے رب کے بڑا قریب سمجھتے ہیں مگر حاتم کے نزدیک پیشانی کو زمین پر رگڑنے کے علاوہ بھی خدا کو پانے اور اس تک پہنچنے کے راستے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز فانی ہے اگر بقا ہے تو صرف رب کی ذات کو ہے:

خدا کو جس سے پہنچیں ہیں وہ اور ہی راہ ہے زاہد   پٹکتے سر تری کو گھس گئی سجدوں سے پیشانی
خدائی ہے خودی سے، باز آ، ہستی سے توبہ کر   بقا باللہ چاہے ہے کہ ہوں تو شیخ، ہو فانی(۸)

شاہ حاتم نے بھی وہی پرانے تصورات جن کو صوفیا صدیوں سے مانتے چلے آئے ہیں اپنے خاص انداز میں بیان کر دیا ہے۔ یہ بھی واحد ذات کے قائل تھے کہ نہ صرف خدا ایک ہے بل کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی موجود ہی نہیں۔ جو اس کا انکاری ہے وہ گویا توحید کا انکاری ہے۔ حاتم کا بھی یہی عقیدہ ہے:

کام میں حق کے کسو بندے کو مت بتلا شریک   ایک ہے، یکتا ہے، واحد ہے، احد ہے لاشریک(۹)
کسو ہندو، مسلمان نے خدا کو   نہ کعبے میں نہ بت خانے میں دیکھا(۱۰)

حاتم کے ہاں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا رنگ بھی ملتا ہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ انسانی زندگی عارضی، مختصر اور بے ثبات ہے۔ یہ تھوڑی سی زندگی دوست، احباب اور عزیز و اقارب سے نفرت، دشمنی اور تعلقات منقطع کرنے کے لیے نہیں بل کہ دوستی، محبت اور میل ملاقات کے لیے ہے کیوں کہ انسان اس دنیا میں کچھ عرصے کے لیے آتا ہے پھر خاک میں مل جاتا ہے۔ ان کے ہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اہلِ دنیا کی خود غرضی اور خود پسندی کے باعث لوگوں کے دلوں سے خلوص و محبت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ خود غرضی، مادہ پرستی کی کیفیت سے انسان بھیڑیوں سے زیادہ سفاک اور سانپوں سے زیادہ زہریلے بن جاتے ہیں۔ خدا کی زمین پر غرور اور تکبر جب انسانوں میں دکھائی دیتا ہے تو حاتم بھی دنیا کی بے ثباتی اور عارضی زندگانی کا درس دیتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ان کی ۱۱۵۸ھ میں لکھی گئی غزل کے چند اشعار:

جوشِ مستی پھر کہاں مست و جوانی پھر کہاں — مے کدے میں جا کے وہ دھومیں مچانی پھر کہاں
خاک ساری کر کہ آخر خاک ہونا ہے تجھے — یہ اکڑ چلنا ترا یہ کج بنانی پھر کہاں
کیا ہُوا حاتم تجھے جینے سے اکتا ہے کیوں — دم غنیمت جان مشفق زندگانی پھر کہاں (۱۱)

ان کے ہاں فلسفۂ جبر و قدر جیسے عناصر بھی ملتے ہیں کہ انسان بے اختیار ہے۔ اس کی تقدیر اس کے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے شاہ حاتم کے نزدیک صاحبِ ادراک ہونا بڑی قیمتی چیز ہے۔ ادراکِ حقیقت کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ ایک طریقہ بحث نظر یعنی عقل و دانش اور دوسرا طریقہ تصفیہ باطن یا وجدان۔ حقیقت یابی کے لیے دل کی منزل سے گزرنا پڑتا ہے جس میں عشق ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ شاہ حاتم نے عقل کو فکر و جنون کی دعوت دی ہے اور انسانی زندگی کو عبادت ٹھہرایا ہے۔ خالق باری تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ کس کی تقدیر یا کس کے نصیب میں کیا لکھ دے اور کس کے دل میں عشق اور جنون جیسے جذبے پیدا کر دے۔ مثلاً:

بخشے آدم کے تئیں جان بخشا خضر کو چشمۂ حیوان بخشا
پیر کنعاں کو دیا دردِ فراق یوسفِ مصر کو زنداں بخشا

کوہ کن کو کمر کوہ دیا قیس کو دشت کا داماں بخشا
کفر کافر کے نصیبوں میں لکھا اہلِ اسلام کو ایماں بخشا(۱۲)
اٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسماں اوپر مرے اللہ نے، بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں(۱۳)

شاہ حاتم کو تصوف کا سلسلہ درد کی طرح وراثت میں نہیں ملا تھا اور نہ ہی کسی خاص فرقے یا سلسلے سے وابستہ رہے بل کہ یہ ان کی ایک فکر تھی۔ اپنا خیال اور تصور تھا جو ان کے تصوف یا فکری وصوفیانہ عناصر کا نقطہ نظر ٹھہرا۔ اگر درد کی طرح انھیں بھی وراثت ملی ہوتی یا کسی مذہبی سلسلے سے تعلق جڑا ہوتا تو شاید درد سے بھی بڑے شاعر ثابت ہوتے۔ شاہ حاتم نے بھی اپنی شاعری میں صوفیا کی ایک اہم صفت بیان کی ہے کہ صوفی، درویش یا فقیر کے نزدیک یہ دنیا اور اس کی رنگینیاں اور دلچسپیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

چناں چہ صوفیا کا معروف قول ہے موتو قبل ان تموتو (یعنی موت آنے سے پہلے مر جاؤ) یہی وجہ ہے کہ ایسے تمام صوفیا دنیادار انسانوں کی مانند موت سے نہیں ڈرتے۔ حاتم کے ہاں ایسے فقرا موت میں ایک نئی لذت محسوس کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

فقیروں سے سنا ہے ہم نے حاتم مزا جینے کا مر جانے میں دیکھا(۱۴)

شاہ حاتم کے ہاں بھی اقبال کی طرح فقر، درویشی، توکل اور قناعت جیسے عناصر ملتے ہیں۔ اقبال نے بھی اپنے کلام میں "فقر" کی اصطلاح بارہا استعمال کی ہے۔ اس طرح حاتم کے نزدیک بھی فقر کی نظر سے رب کی ذات کے سوا دنیا کی کوئی چیز قدر و اہمیت نہیں رکھتی ہے:

طریق فقر میں جس کو دیا خدا نے وقوف نظر میں اس کی ہے یکساں حریر و جامۂ صوف
فقر کے کشور کی حق نے دی ہے مجھ کو سلطنت صاحب دولت کو کب موجود کو بوجھوں ہوں میں(۱۵)

شاہ حاتم کے فقر میں بھی مردِ مومن کی صفات ہیں۔ ان کے نزدیک بھی دنیاوی مال و دولت اور شہرت کھوکھلی چیز ہے۔ ابدی اور حقیقی زندگی میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ انسان کی زندگی میں اصل خوب صورتی اور کشش باطنی خصائل کی بنا پر ہوتی ہے اور بلاشبہ انھی درویشانہ صفات کی وجہ سے وہ

اشرف المخلوقات کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوتا ہے۔اپنے دل سے دنیاوی خواہشات کو ختم کر دینے والے یہ فقیر لوگ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔دنیاوی دولت، شہرت اور منصب سے دور بھاگتے ہیں۔شاہ حاتم کا فقیر اور درویش بھی انھی حقیقتوں کا دامن تھامے ہوئے دکھائی دیتا ہے:

جہاں کو جان کی فانی اٹھایا دل کو حاتم نے　　فقیری کی ہوس میں شوق سب جاگیر و منصب کا
کیا ہے محفلِ دل ہم نے جائے درویشاں　　فقیر خانہ بنایا برائے درویشاں
نظر کسی کی یہ نعمت اُپر نہیں رکھتے　　ہمیشہ خونِ جگر ہے غذائے درویشاں
شرف رکھے ہے لباسِ حریر و دیبا پر　　یہ پارہ پارہ گلیم و ردائے درویشاں(۱۶)
لباس فقر کا سامان پردہ پوشی　　تو خرقہ پوش نہیں ہے جو عیب پوش نہیں(۱۷)
ہے جب سے میرے سر پر فقر کا تاج　　قناعت کے کروں ہوں ملک میں راج
میسر فقر کا ہے جس کو دہیم　　وہی ہے بادشاہِ ہفت اقلیم(۱۸)

شاہ حاتم منجمد ذہن کے صوفی نہ تھے بل کہ اپنے دور کی ہر لحہ گھمبیر ہوتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر پیدا ہونے والے استفسارات پر انھوں نے غور کیا اور دوسری جانب تصوف میں پیش آنے والی مشکلات و مشاہدات کے بارے میں بھی تفکر کا احساس دلایا ہے۔اس کائنات کی ماہیت، زندگی و موت غرض دیگر مختلف حوالوں سے ان کے ہاں حیرت اور حیرت کے بعد حقیقت کی تلاش کے آثار واضح ہوتے ہیں جن سے شاہ حاتم کی مفکرانہ اور عارفانہ جستجو کا پتا چلتا ہے۔

عجب طرح سے ہے ملکِ عدم کی آمد و رفت　　کہ آتے جاتے جو دیکھا یگاں یگاں تنہا(۱۹)

شاہ حاتم بھی درد کی طرح خدا کو محبوب حقیقی کا درجہ دیتے ہیں۔یہ بات ان کے کلام سے عیاں ہے کہ ان کے ہاں چوں کہ کائنات کی ہر شے میں اسی حسنِ حقیقی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، وہ کائنات یا مظاہر حسن کی تعریف اس طرح کرتے ہیں گویا خالق حقیقی کی تعریف کر رہے ہوں:

گلشنِ دہر میں سو رنگ ہیں حاتم اس کے　　وہ کہیں گل ہے، کہیں بُو ہے، کہیں بوٹا ہے(۲۰)

وہ محبوبِ حقیقی کے تصور کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں اور اس کے جلووں کو کسی ایک جلوے میں قید نہیں سمجھتے ان کا محبوب عام تصور سے بالکل مختلف ہے۔ وہ بھی وحدت الوجود کے رنگ کو ہی دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں بل کہ وہ کسی ایک فلسفے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ تو اپنے حقیقی محبوب کو اس کائنات کے رنگوں میں کبھی وحدت میں دیکھتے ہیں اور کبھی شہادت میں دیکھتے ہیں:

کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیر خدا کوئی کافر، نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا(۲۱)

شاہ حاتم کے نزدیک مشاہدہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ مشاہدے کے ذریعے نئے اسرار معلوم کرتے ہیں۔ وہ چمن میں، پھولوں میں اور کائنات کے ہر ذرے میں ہے۔ وہ نفس میں بھی ہے، وہ کعبہ و دیر میں بھی ہے۔ وہ خورشید میں بھی ہے، وہ قمر میں بھی ہے۔ حاتم نے اپنی جستجو سے بہت سے حقائق کا انکشاف کیا ہے۔ نیچر کے مشاہدات پر غور کرنے سے جو نظریے قائم کیے ہیں ان میں سے بیش تر مغرب کی نیچرل شاعری کی تنقید کا جز و معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ نظریہ کہ حسنِ فطرت، حسنِ مطلق کا عکس یا اس کا پردہ ہے یا فطرت کے پردے کو حسن جلوہ گری کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ حاتم کے نزدیک کائنات میں جو کچھ ہے اس کا پرتو ہے۔ در پردہ وہی ذات جلوہ نما ہے۔ اس کی ذات کا ثبوت اس کی صفات سے ملتا ہے۔ عالم کا سارا انتظام اس کی ذات پر گواہی دیتا ہے:

آنکھیں ہیں تو دیکھ لے کہوں کیا حاضر ناظر ہے، رُو بہ رُو ہے
تو سیر کرے ہے جس چمن کی ہر گل میں صبا اسی کی بو ہے
کیا کعبہ و دیر و کیا خرابات تو ہی تھا، غرض جدھر گئے ہم(۲۲)
کعبہ و دیر سے اے شیخ تفاوت کیا ہے دونوں ان گھر کا وہی ایک ہے صاحب خانہ(۲۳)

من عرف نفسہ کی رمز کو بوجھ آپ کو جانتا تجھے ہے ضرور
شش جہت جس طرف نگاہ کرے سب طرف ہے یہاں اُسی کا ظہور(۲۴)
ڈھونڈا ہے بہت صبح سے تا شام ہر اک جا نے کوچہ، نہ بازار، نہ پایا تجھے گھر بھی
ہر صبح ہے خورشید ترے در کا سلامی ہر شام کو مشعل لیے حاضر ہے قمر بھی(۲۵)

ہستی غیر حقیقی کو ہستی حقیقی تک پہنچنے کی ایک قدرتی طلب اور فطری تڑپ ہے۔ بہ شرط یہ کہ کوئی رکاوٹ درمیان میں حائل نہ ہو اس طلب کا نام عشق ہے اور اسی کو صوفیا حضرات نے قربِ حق کا

ذریعہ اور وصل کا وسیلہ مانا ہے۔عشق میں کبھی یہ نوبت آتی ہے کہ عشق اور عاشق دونوں فنا ہو جاتے ہیں صرف معشوق رہ جاتا ہے۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ عشق ایک آگ ہے جو معشوق کے علاوہ سب کو جلا کر خاک کر دیتی ہے اس سلسلہ میں شاہ حاتم کا رنگ دیکھیے:

کیا عشق کی آتش کا بیاں کیجئے حاتم کچھ دل ہی نہیں بھنتا ہے، جلتا ہے جگر بھی
عشق اور حسن کی تجلی دیکھ کہیں وہ نار ہے، کہیں ہے نور(۲۶)

تصوف کا اخلاق سے نہایت قریبی رشتہ ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک صوفی یا سالک صوفیانہ تعلیمات کے اثر سے جب اپنی اعتباری ہستی فنا کر دیتا ہے تو لامحالہ اس ہستی کے تمام لوازم غرور، حسد، حرص، ظلم وغیرہ خود بخود معدوم ہو جاتے ہیں۔جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ نہ میں ہوں نہ میرا کوئی ذاتی ملک ہے میں اسی کا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں تو قوم و افراد کے درمیان سے من وتو کے کبھی نہ ختم ہونے والے تفرقے آپ ہی آپ رفع ہو جاتے ہیں۔کاملین صوفیا کا جہاں تک تعلق ہے ان کا طلب جاہ اور طلب مال کے بکھیڑوں سے کبھی سروکار نہیں رہا۔

خود شاہ حاتم کی زندگی اس کی شاہد ہے۔وہ زندگی، موت، قبر اور بے ثباتی جیسے حقائق کو بڑے تلخ اور بے ساختہ انداز میں بیان کرتے ہیں:

صاحبانِ قصر کو ملتی نہیں ہے بعدِ مرگ گور میں سر کے تلے تکیے کی جا گر ایک خشت
کس طرح سے جامہ زیبانِ جہاں یوں پڑے ہیں خاک کے دامان میں
کوئی بچا ہے نہ بچے گا کوئی اس کے ہاتھوں ہے زبردستِ ازل پنجۂ خوں خوار اجل
آئے تھے مثال شعلہ سرگرم جاتے ہوئے جوں شرر گئے ہم

ملا دیے خاک میں خدا نے پلک کے لگنے میں شاہ لاکھوں
جنھوں کے ادنا غلام رکھتے تھے اپنے چاکر سپاہ لاکھوں(۲۷)

شاہ حاتم نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کو ملا کر ایک نئی وحدت دینے کی کوشش کی ہے جو ایک قابل قدر فکری اضافہ ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ عیش وعشرت، نشاطیہ محفلوں، پرکیف نظاروں اور مے خانوں جیسے مناظر سے دوچار رہا مگر وہ ارض وسما کے

خالق کو بھی نظر انداز نہ کر سکے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

''سپہ گری، عاشق مزاجی اور شاعری یہ گویا ایام جوانی کے وہ اوصاف ہیں جو محمد شاہی عہد کے ایک عام دنیادار انسان رنگین مزاج نوجوان اور شعر وسخن کے دلدادہ فن کار میں عام طور پر پائے جاتے تھے۔حاتم بھی کم وبیش انہی اوصاف سے متصف تھے..... اس کے بعد زندگی کا وہ دور آتا ہے جب حاتم کا دل زندگی کے ہنگاموں اور دلھڑ بیوں سے سیر ہو چکا تھا جب کہ درویشی اور قناعت پسندی نے ان کی زندگی کا رُخ ہی بدل دیا تھا۔آزادگی اور فقر منشی کے ساتھ ساتھ یہ دور حاتم کی شاعرانہ عظمت اور ان کے مرتبہ استادی کے اعتراف کا دور بھی تھا''۔(۲۸)

شاہ حاتم نے کثرت سے صوفیانہ تصورات اور اصطلاحات مثلاً عشق وعقل، قلب ونظر، جبر واختیار، خلوت وانجمن، فنا فی اللہ، مکان لا مکان، بے ثباتی و بے اعتباری، توکل وفقر وغیرہ کو اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے لیکن یہ سب تصورات جذبے کے ساتھ مل کر درد کے تجربے کا حصہ بن کر آئے ہیں۔ اگر شاہ حاتم کے اشعار کو نظام تصوف کی تلاش میں مرتب کیا جائے تو ہمیں ان کے ہاں تسلسل وربط کا احساس ہوتا ہے۔مثلاً موت کا تصور ہی لیجیے موت انسانی فکر کا بڑا مسئلہ رہی ہے۔شاہ حاتم کے ہاں ہمیں یہ تصور ارتقا ان کی زندگی کے آخری حصے میں ظاہری بھی اور باطنی بھی نظر آتا ہے جو ان کی شاعری کا حصہ بنتا گیا۔اس حوالے سے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ لکھتے ہیں: ''نام شیخ ظہور الدین حاتم لقب شاہ حاتم متقدمین سے ہیں۔عالم شباب میں سپاہی تھے بالآخر توکل اختیار کیا اور جہان آباد میں آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔(۲۹)

حکیم سیّد عبدالحئی رقم طراز ہیں: ''میر بادل علی شاہ کا تکیہ دلی میں قدم شریف کے پاس رندمشرب لوگوں کا ٹھکانا تھا۔یہ بھی وہاں جایا کرتے اور پہر دو پہر دل بہلا کر چلے آتے تھے۔کچھ فقیر کی صحبت، کچھ زمانہ کے انقلاب کا پھیر وہاں آتے جاتے یہ بھی فقرائے آزادمنش میں شامل ہو گئے۔''(۳۰)

اگر درد اور حاتم کی شاعری کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ہمیں درد کے ہاں وہی انداز فکر اور رویہ ملے گا جو حاتم کا تخلیقی رویّہ ہے۔اسی لیے حاتم اور درد کے لہجے، آہنگ، الفاظ اور امیجری میں بڑی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔شاہ حاتم کی تصوف کی کچی عمارت کو درد نے پکی اور خوبصورت عمارت بنا کر

پیش کیا ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ انھی کی اینٹوں کو رنگ و روغن کر کے ایک جدید عمارت کا روپ دے دیا ہے۔ درد اور شاہ حاتم کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ وہ دیکھنے کی دعوت دیتے ہیں پانے یا حاصل کرنے کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کا نفسیاتی سبب یہ ہے کہ یہ دونوں وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کے زیادہ قائل تھے۔ درد اور حاتم دونوں کے کلام میں جہاں یہ موضوع زیرِ بحث آیا ہے وہاں دیکھنے دکھانے، دید، مشاہدہ اور نظارہ کا ذکر ضرور آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں عینی عقیدوں کے قائل تھے جب کہ زیادہ تر وحدت الشہود کے ترجمان ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، (مرتب): دیوان زادہ، مجلس ترقی ادب لاہور، دسمبر ۲۰۰۹ء، ص:۱۲

(۲) اقتدار حسن، ڈاکٹر، (مرتب) مخزن نکات، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص:۲۰

(۳) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، (مرتب): دیوان زادہ، لاہور، مجلس ترقی ادب، دسمبر ۲۰۰۹ء، ص:۱۹۲

(۴) ایضاً، ص:۲۱۲ (۵) ایضاً، ص:۲۲۰ (۶) ایضاً، ص:۱۷

(۷) ایضاً، ص:۸۴،۷۵،۸۵ (۸) ایضاً، ص:۹۹ (۹) ایضاً، ص:۱۱۵

(۱۰) ایضاً، ص:۱۲۱ (۱۱) ایضاً، ص:۱۱۸ (۱۲) ایضاً، ص:۱۲۲

(۱۳) ایضاً، ص:۱۳۲ (۱۴) ایضاً، ص:۱۲۱ (۱۵) ایضاً، ص:۱۲۹،۱۳۱

(۱۶) ایضاً، ص:۱۸۸،۱۸۹ (۱۷) ایضاً، ص:۲۰۲ (۱۸) ایضاً، ص:۲۱۸

(۱۹) ایضاً، ص:۱۸۵ (۲۰) ایضاً، ص:۱۳۴،۱۳۲ (۲۱) ایضاً، ص:۱۴۸

(۲۲) ایضاً، ص:۱۵۰،۱۷۰ (۲۳) ایضاً، ص:۱۷۹ (۲۴) ایضاً، ص:۲۰۸

(۲۵) ایضاً، ص:۲۱۹ (۲۶) ایضاً، ص:۲۱۹،۲۰۸،۲۰۱ (۲۷) ایضاً، ص:۱۲۷،۱۳۹،۱۷۷

(۲۸) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر: شاہ حاتم حالات و کلام، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۶۴ء، ص:۳۹

(۲۹) مصطفیٰ خاں شیفتہ: گلشن بے خار، کراچی، اکیڈمی آف ایجوکیشن، ۱۹۶۲ء، ص:۱۲۳

(۳۰) عبدالحیٔ سید حکیم، گل رعنا، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۴ء، ص:۱۰۴